حضرت امام مالکؒ

سنہ ۹۳ھ تا سنہ ۱۷۹ھ

عبدالرشید عراقی - سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ

نام ونسب مالک نام، کنیت ابوعبداللہ، امام دارالہجرۃ لقب، والد کا نام انس تھا۔ آپ کے پردادا ابوعامر مشرف باسلام ہوئے اور یمن سے آکر مدینۃ النبی میں سکونت اختیار کی تھی۔ ابوعامر کی ملاقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ مگر امام صاحب کے دادا مالک بن ابوعامر جلیل القدر تابعی تھے۔ آپ کی ولادت سنہ ۹۳ھ مدینہ طیبہ میں ہوئی۔

مدینہ طیبہ جس وقت امام صاحب کی پیدائش ہوئی۔ اس وقت مدینہ طیبہ علماء و فضلاء کا مخزن تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اگرچہ بہت سے صحابہ کرامؓ مدینہ منورہ سے نکل کر دوسرے مقامات پر آباد ہو گئے تھے۔ مگر مدینہ طیبہ کی علمی پوزیشن میں کسی قسم کا فرق نہ آیا تھا۔ بدستور اسی طرح قائم رہی۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ تک مدینہ اسلام کا بڑا مرکز تھا۔ مگر جب حضرت علیؓ نے مدینہ کی بجائے کوفہ کو دارالحکومت بنایا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوفہ بھی مدینہ کی طرح اسلام کا ایک علمی مرکز بن گیا۔ حضرت امام مالکؒ نے جب ہوش سنبھالا تو مدینہ کی علمی پوزیشن پہلے کی طرح قائم تھی۔

امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:۔

"باید دانست کہ مدینہ مشرفہ در زمانِ او پیشتر از زمانِ متاخرہ بلاشبہ مرجع فضلاء و رجال

علماء بودہ است۔[1]

یعنی جاننا چاہیے کہ مدینہ منورہ امام مالک رح کے زمانے میں بعد کے قرون سے پہلے بلاشبہ فضلاء کا مرجع اور اہلِ علم کی فرودگاہ تھا۔ البتہ امام مالک رح کے بعد وہاں علمی انحطاط آگیا تھا۔

اس بات میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں اور نہ اس سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ مدینہ منورہ امام مالک رح کے زمانے تک علم و فضل کا گہوارہ تھا۔ اور امام مالک رح مدینہ کے عمل کو مستقل حجت سمجھتے تھے۔ عمل اہلِ مدینہ پر حافظ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں بڑی دلچسپ بحث کی ہے، جو قابلِ دید ہے۔

تحصیل علم | امام صاحب نے جب ہوش سنبھالا تو مدینہ باغ و بہار کا مرکز تھا۔ اُن کا گھر خود علم کا مرجع تھا۔ امام صاحب نے قرآن مجید کی سند و قرأت امام القراء نافع بن عبدالرحمٰن المتوفی ۱۶۹ھ مولائے حضرت ابن عمر رض سے حاصل کی۔ حضرت نافع کے علاوہ امام صاحب نے دیگر شیوخ سے تحصیلِ علم کی۔ امام مالک رح نے طلب علم کے لیے مدینہ سے باہر قدم نہیں نکالا۔ کیونکہ مدینہ اُس وقت دار العلوم تھا۔ اور تمام ممالک اسلامیہ کے شیوخ و اساتذہ خود آستانۂ نبوی پہ حاضر ہوتے تھے۔

امام صاحب نے ان شیوخ و اساتذہ سے استفادہ کیا جو صدق و طہارت میں معروف اور حفظ فقہ میں ممتاز تھے۔ امام صاحب نے جن شیوخ سے موطا میں روایت کی ہے اُن کی تعداد ۹۵ ہے۔ یہ سب اساتذہ مدنی ہیں۔ اسی طرح مدینہ کا علم جو مختلف سینوں میں پراگندہ تھا۔ وہ اب ایک سینہ میں مجتمع ہوگیا۔ اسی وجہ سے "امام دار الہجرۃ" آپ کا لقب ہوا۔

مجلسِ درس | مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رض کے بعد اُن کی علمی درسگاہ کے جانشین حضرت نافع تھے۔ امام مالک رح ۱۲ برس تک حضرت نافع رح کے درس میں شریک رہے۔ حضرت نافع رض کے انتقال کے بعد امام مالک اُن کے جانشین ہوئے۔

امام صاحب کی مجلس درس ہمیشہ پُر تکلف فرش اور بیش قیمت قالینوں سے آراستہ رہتی تھی۔ جب حدیث نبوی ص کے املاء کا وقت آتا تھا۔ پہلے وضو یا غسل کرکے عمدہ اور بیش قیمت پوشاک

---

[1] مصفیٰ شرح موطاء۔

زیب تن فرماتے۔ اس لیے کہ حضرت امام لباس کے معاملے میں بہت خوش ذوق تھے۔ یمن، مصر اور خراسان تک سے عمدہ عمدہ کپڑے منگواتے۔ عطر کا بہت شوق تھا۔ اس سے آپ کے ذہن کی پاکیزگی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ درس سے پہلے نیا جوڑا پہن کر اور خوشبو وغیرہ لگا کر مجلس علمی کی صدارت کے لیے مسجد نبوی میں تشریف لاتے۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے مجلس درس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے

"جاہ و جلال اور شان و شکوہ سے کاشانۂ امامت پر بارگاہ شاہی کا دھوکا ہوتا تھا۔ طلبا کا ہجوم، مستفتیوں کا اژدحام، امراء کا ورود، علماء کی تشریف آوری سیاحوں کا گذر، حاضرین کی مؤدب نشست، درِ خانہ پر سواریوں کا انبوہ، دیکھنے والوں پر رعب و وقار طاری کر دیتا تھا"[۱]

امام صاحب صاحبِ حکومت نہ تھے۔ لیکن صاحبِ حکومت اس آستانہ پر جھکتے تھے۔ پوری دنیائے اسلام امام صاحب کی شہرت سے معمور ہو گئی تھی۔ ایشیا، افریقہ، یورپ ہر سہ براعظم سے مسافرانِ علم کے کارواں بلا انقطاع مدینہ کا رخ کرتے تھے۔ اور اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم یوشك ان یضرب الناس اكباد الابل فلا یجدون احدا اعلم من علم المدینة[۲]

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب وہ زمانہ آئے گا جب لوگ طلب علم کے لیے اونٹ ہنکائیں گے۔ لیکن مدینہ کے عالم سے زیادہ کسی کو نہ پائیں گے۔

سفیان بن عیینہؒ اور عبد الرزاق نے اس پیش گوئی کا مصداق حضرت امام مالک رحمہ اللہ کو قرار دیا۔

---

[۱] حیات امام مالکؒ ص ۴۱۔ [۲] ترمذی جلد ۲ ص ۹۳

حضرت امام مالکؒ صاحب جب درس حدیث کے لیے مجلس لگاتے تو اتنے ادب اور احترام کے ساتھ بیٹھتے کہ مجلس میں کسی قسم کی کوئی حرکت نہ ہو۔ جس سے سوئے ادب کا شائبہ ہو۔ سامعین بالکل خاموشی سے آپ کی بات سنتے۔ اور جیسا کہ مشہور واقعہ ہے۔ اور تقریباً ہر سوانح نگار نے جس نے امام صاحب کی سیرت وسوانح لکھی ہے، اس کو اپنی کتاب میں درج کیا ہے کہ ایک دفعہ دوران درس حدیث ایک بچھو نے آپ کو کئی بار کاٹا۔ درد کی وجہ سے آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا جاتا تھا۔ مگر آپ نے اس وقت تک پہلو نہ بدلا جب تک حدیث پاک ختم نہ کر لی۔

تلامذہ امام صاحب کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ اور امام ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ امام صاحب کے تلامذہ کا شمار نا ممکن ہے۔ اس لیے کہ جس نے ۶۲ سال تک فقہ، فتاویٰ اور درس وتدریس میں گزارے ہوں۔ اُن کے شاگردوں کا احصاء بہت مشکل ہے۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ شامل ہیں۔

فقہ مالکؒ حضرت امام مالکؒ کی فقہ کی بنیاد فقہاء صحابہ یعنی ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ اور فقہائے سبعہ یعنی کبار تابعین حضرات یعنی:

سعید بن المسیب	المتوفی ۹۴ھ
عروہ	المتوفی ۹۴ھ
ابوبکر بن عبد الرحمٰن بن الحارث بن ہشام المتوفی ۹۴ھ	
عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود	المتوفی ۹۸ھ
قاسم بن محمد بن ابی بکر	المتوفی ۱۰۶ھ
سلیمان بن یسار	المتوفی ۱۰۹ھ
خارجہ بن زید	المتوفی ۱۰۹ھ

اور صغار تابعین زہری اور اُن جیسے حضرات کے اعتماد پر مالک کے مذہب کی بنیاد ہے۔

اخلاق وعادات بہت خود دار تھے۔ حمام میں غسل کرنا اس وقت ایک عام معمول تھا۔ مگر امام صاحب نے کبھی حمام میں غسل نہیں کیا۔ فرماتے کہ حمام میں عام لوگوں سے مڈبھیڑ ہو جاتی ہے اور عامیانہ ذوق کی باتیں سننا پڑتی ہیں، اس لیے حمام میں نہانے سے احتراز کرنا [illegible] اور فرمایا

کرتے تھے۔

کہ بن کم علم و عقل اور جاہلوں کی صحبت سے ہمیشہ گریزاں رہا۔

اخلاقی انفرادیت کا اتنا اہتمام تھا کہ لوگوں کے سامنے کبھی کوئی کھانے پینے کی چیز استعمال نہ کرتے۔ یہ سب کچھ بتقاضائے وقار و تمکین تھا۔ ورنہ جن لوگوں سے سابقہ تھا۔ اُن کے حق میں نہایت درجہ شفیق تھے۔

توجہ الی اللہ کا یہ حال تھا کہ انگوٹھی کے نگینہ میں "حسبنا اللہ و نعم الوکیل" محض اس لیے کندہ کرا رکھا تھا کہ یہ مضمون ہر وقت مدنظر رہے۔ اسی طرح گھر کے دروازے پہ "ماشاء اللہ" لکھوا رکھا تھا۔ اور فرماتے کہ یہ قرآن کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔

وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ۔

جب تم اپنے باغ میں داخل ہوتے تو تم نے اس کی بہار دیکھ کر یہ کیوں نہ کہا کہ جو اللہ کو منظور ہے۔[1]

مدینہ سے محبت امام صاحب کو مدینہ سے غایت درجہ محبت تھی۔ بجز سفر کے کبھی باہر نہیں نکلے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بے حد ادب و احترام کرتے تھے اور اس کی مثال ملاحظہ فرمائیں کہ تمام زندگی مدینہ میں کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر نہیں نکلے کہ اس میں اُن کے خیال میں سوءِ ادب کا پہلو نکلتا تھا۔ فرماتے۔

"جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک دفن ہو۔ میں وہاں کیسے گھوڑے پر سوار ہو سکتا ہوں"۔

امام صاحب مدینہ میں جس مکان میں رہتے تھے۔ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تھا۔ تمام زندگی اسی مکان میں گزار دی۔ آپ اس مکان کا کرایہ ادا کرتے رہے۔ اپنا ذاتی مکان نہیں بنایا۔ مسجد نبوی میں نشست اس جگہ کرتے تھے جہاں خلیفہ ثانی امیر المومنین حضرت عمر فاروق نشست کرتے تھے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتکاف کے وقت بستر مبارک

---

[1] القرآن سورۃ الکہف آیت ۳۹۔

بچھایا جاتا تھا[1]

ابتلاء | آپ کو بھی ابتلاء و آزمائش میں گزرنا پڑا۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے:

ایک تو محمد ذوالنفس الزکیہ المتوفی ۱۴۵ھ نے مدینہ منورہ میں اور اُن کے بھائی ابراہیم نے بصرہ میں حکومت کی زیادتیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو امام صاحب نے اُن کا ساتھ دیا۔ جس پر والی مدینہ آپ کے خلاف ہوگیا۔ اور دوسرا واقعہ "جبری طلاق" کا مسئلہ تھا۔ امام صاحب کا فتویٰ تھا کہ "جبری طلاق" واقع نہیں ہوتی۔ اور ایسی طلاق کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس لیے یہ طلاق نہیں ہوگی۔ والیٔ مدینہ نے اس مسئلہ کو اپنے وقار کا مسئلہ بنا لیا۔

چنانچہ امام صاحب بھی زیر عتاب آگئے۔ آپ کو گدھے پر سوار کر کے تمام مدینہ میں پھیرایا گیا۔ اور ۷۰ کوڑے آپ کی پیٹھ پر مارے گئے۔ تمام پیٹھ خون آلود ہوگئی۔ دونوں ہاتھ مونڈھوں سے اُتر گئے۔ مگر امام صاحب جھکے نہیں۔ جب آپ کو گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں پھرایا گیا۔ تو آپ فرماتے۔

"کہ جو مجھ کو جانتا ہے، وہ جانتا ہے جو نہیں جانتا ہے وہ جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں۔ فتویٰ دیتا ہوں کہ طلاق جبری درست نہیں"[2]

۱۴۶ھ میں جب خلیفہ منصور مدینہ منورہ آیا تو اس نے جعفر والی مدینہ سے امام صاحب سے جو سلوک اُس نے کیا تھا۔ قصاص لینا چاہا۔ مگر امام صاحب نے روک دیا اور فرمایا کہ جب کوڑا پڑتا تھا تو اُسی وقت میں جعفر کو قرابت رسولؐ کی وجہ سے معاف کر دیتا تھا۔ ملاحظہ فرمائیے حضرت امام کی عالی ظرفی۔

تصنیفات | آپ کی تصنیفات کی تعداد گیارہ ہے جیسا کہ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے اپنی مایۂ ناز کتاب امام مالکؒ میں لکھا ہے اور وہ حسب ذیل ہیں:

موطا[1]۔ رسالہ مالک[2] ابی الرشید۔ احکام القرآن[3]، المدونۃ[4] الکبریٰ۔ رسالہ مالک الیٰ[5] ابن مطرف۔

---

[1] مدارک از قاضی عیاض

[2] ماخوذ از حیات امام مالک از مولانا سید سلیمان ندویؒ

رسالہ مالک الی ابن وہبؒ - کتاب التفسیر - کتاب المناسک - تفسیر غریب القرآن - کتاب اجابات عن مالک - تفسیر القرآن - [1]

اب یہاں صرف آپ کی مشہور کتاب "موطا" کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

موطا موطا قرآن پاک کے بعد کتب خانہ اسلام کی دوسری کتاب ہے۔ اوّل کلام خدا ہے اور ثانی کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جیسا کہ محدثین کرام نے اس کی تصریح کی ہے کہ موطا ہی نقش اوّل اور بنیادی کتاب ہے۔ بخاری کی حیثیت تو اس باب میں نقش ثانی کی ہے۔ اور انہیں دونوں کتابوں پر مسلم و ترمذی جیسے بعد کے مؤلفین نے اپنی کتابوں کی بنا رکھی ہے۔

موطا درحقیقت علوم مدینہ کا مجموعہ ہے جس کو امام دارالہجرۃ مالکؒ بن انس نے جمع کیا ہے۔ موطا ان تمام اکابر صحابہ و اعاظم تابعین جن کا مسکن مدینہ منورہ تھا۔ ان کی روایات و فتاویٰ پر مبنی ہے اور بقول امام شاہ ولی اللہ دہلوی۔

"صحیح ترین، موثق ترین، اور کامل ترین احکام اسلامیہ کا مجموعہ ہے"[2]۔

اور محی السنۃ نواب صدیق حسن خاں مرحوم اتحاف النبلاء میں ابوزرعہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

وایں وثوق و اعتماد بہ کتب دیگر نیست

کہ یہ مجموعہ وثوق و اعتماد میں تمام کتابوں[3] میں فوقیت رکھتا ہے۔

زمانۂ تالیف موطا کی تالیف مدینہ منورہ میں ہوئی۔ اس لیے کہ امام صاحب تمام عمر مدینہ میں ہی رہے۔ تالیف زمانہ کے متعلق صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن بقرائن معلوم ہوتا ہے کہ موطا کی تالیف کا زمانہ ۱۳۰ھ تا ۱۴۰ھ کے درمیان ہے۔

---

[1] ماخوذ از حیات امام مالک از مولانا سید سلیمان ندوی ص ۷۹

[2] مقدمہ مسوّی شرح موطا از امام ولی اللہ دہلوی۔

[3] اتحاف النبلاء ص ۱۶۵

سنہ ۱۳۰ھ میں بنی امیہ کا زوال شروع ہوا۔ اس سے پہلے تصنیف و تالیف کا شغل نہ تھا۔ سنہ ۱۴۳ھ میں منصور نے آخری حج کیا۔ اس وقت موطا منصہ شہود پر آچکی تھی۔ اس لیے موطا کا زمانہ تالیف ان دونوں کا درمیانی زمانہ قرار دیا جا سکتا ہے [1]

وجہ تسمیہ لفظ "موطا" توطیہ کا مفعول ہے۔ صاحب قاموس نے اس کے معنی روندنے، تیار کرنے اور نرم و سہل بنانے کے بیان کیے ہیں "موطا" کے لغوی معنی" روندا ہوا۔ تیار کیا ہوا، نرم اور سہل بنایا ہوا ہیں۔ یہ تمام معانی بطور استعارہ کے یہاں مراد لیے جا سکتے ہیں۔ [2]

امام شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں۔

موطا کے لغوی معنی روندے ہوتے یا چلے ہوئے اور مجازی معنی یہ ہیں کہ جس پر عام ائمہ اور علماء اور اکابر چلے ہوں اور جس کو ان سب کی رائیوں نے روندا اور پامال کیا ہو۔ یعنی سب نے اس کے متعلق گفتگو کی ہو، اور اس سے اتفاق کیا ہو۔ [3]

اور مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم فرماتے ہیں۔

"موطا" اس راستہ کو کہتے ہیں جس پر لوگ بکثرت گزرتے ہیں۔ سنت کے معنی بھی راستہ کے ہیں جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور تمام صحابہؓ گزرے۔ غرض موطا کا لفظ اپنی حقیقت کا آپ مفسر ہے کہ یہ ان مسائل پر مشتمل ہے جن پر صحابہؓ کا عمل رہا ہے، اور جمہور سلف جن پر چلے ہیں [4]

ابو حاتم رازی سے دریافت کیا گیا کہ اس کا "موطا" کیوں نام رکھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ امام مالکؒ نے اس کو مرتب کر کے لوگوں کے لیے سہل بنا دیا ہے اور خود امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کو لکھ کر مدینہ کے ۷۰ فقہائے عظام کے سامنے پیش کیا۔ سب نے مجھ سے اتفاق کیا۔

---

[1] حیات امام مالک ص ۸۴

[2] قاموس جلد ۱ ص ۲۲

[3] مقدمہ مسوی شرح موطا ص ۶

[4] حیات امام مالکؒ ص ۸۷

مؤطا کی غرض | مؤطا سے پہلے اور خود امام مالک کے زمانے میں حدیث کے بہت سے مجموعے تیار ہو چکے تھے۔ مگر ان میں صحت کا اتنا التزام نہیں تھا، جو التزام مؤطا میں رکھا گیا ہے اور مؤطا کی صحت کے التزام کے سلسلے میں محدثین کرام نے اس کی نشان دہی کی ہے[1]۔

حافظ ابن حبان فرماتے ہیں۔

"امام مالکؒ فقہائے مدینہ میں سے سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے رواۃ کے متعلق تحقیق سے کام لیا۔ اور حدیث میں جو ثقہ نہ ہوں، اُن کی روایت سے اعراض کیا۔ وہ صحیح روایات کے علاوہ نہ کوئی روایت نقل کرتے ہیں اور نہ کسی غیر ثقہ سے حدیث بیان کرتے ہیں[2]۔

اور امام شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں۔

کہ امام دار الہجرۃ مالک بن انس کے مذہب کی بناء اول احادیث صحیحہ اور بنائے ثانی آثار صحابہ و تابعین ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

"جاننا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے خواہ مسند ہو یا مرسل نیز حضرت عمرؓ کے اثر اور عبداللہ بن عمرؓ کے عمل سے استدلال کرنا اور صحابہ و تابعین مدینہ کے فتاویٰ سے اخذ کرنا خصوصاً جب کہ ان تابعین کی ایک جماعت کسی مسئلہ پر متفق ہو۔ امام مالکؒ کے مذہب کا اصول ہے[3]۔

مؤطا کا کتب حدیث میں مقام | جمہور علمائے کرام نے طبقات کتب حدیث میں مؤطا کو طبقہ اولیٰ میں شمار کیا ہے۔ امام ولی اللہ دہلوی نے کتب حدیث کے پانچ طبقات قائم کیے ہیں۔ اور "مؤطا" کو طبقہ اولیٰ میں شمار کیا ہے۔

---

[1] تہذیب التہذیب امام ابن حجر عسقلانی ترجمہ امام مالکؒ

[2] کتاب الثقات ابن حبان

[3] مصفیٰ شرح مؤطا جلد اول ص ۱۰

طبقۂ اولیٰ میں صرف وہ تصانیف ہیں جن کے مصنفین حدیث کے امام اور فن کے نقاد تھے، اور جن کی تصانیف صحت، جودت اسناد اور قبول محدثین کے لحاظ سے سب سے مقدم ہیں اور جن کے رجال حفظ، ثبوت، وثوق اور شہرت میں معروف ہیں۔

طبقۂ ثانیہ میں اس سے کم درجہ علیٰ ہٰذا ترتیب۔

طبقۂ اولیٰ میں مؤطا، بخاری اور مسلم داخل ہیں اور طبقۂ ثانیہ میں ترمذی، نسائی اور ابوداؤد شامل ہیں۔

امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں۔

واتفق اہل الحدیث علی ان جمیع ما فیہ علی رأی مالک ومن وافقہ واما علی رأی غیرہ لیس فیہ مرسل ولا منقطع الا وقد اتصل السنۃ بہ من طرق اخریٰ فلا جرم انہا صحیحۃ من ہذا الوجہ[1]

محدثین کا اتفاق ہے کہ اس کتاب کی تمام روایات امام مالک اور ان کے موافقین کی رائے میں صحیح ہیں، اور دوسروں کی رائے بھی اس سلسلہ میں یہی ہے کہ موطا کی مرسل منقطع روایات کی سند دوسرے طرق سے متصل ہے۔ پس اس میں کوئی شبہ نہ رہا کہ اس اعتبار سے وہ سب صحیح ہیں۔

امام شافعیؒ کی شہادت امام شافعیؒ المتوفی ۲۰۴ھ جو امام مالکؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ مؤطا کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ما علی ظہر الارض من کتاب اللہ اصح من کتاب مالک[2]

روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد مؤطا امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔

مؤطا کی مقبولیت امام شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کی حیات ہی میں یہ کتاب

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص ۱۳۳ [2] حیات امام مالک ص ۹۱

پوری دُنیائے اسلام میں مشہور ہوگئی تھی۔ جتنا زمانہ گزرتا گیا۔ اس کی شہرت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور لوگوں نے اس کی طرف زیادہ توجہ کی۔ اس مقدس کتاب کی تنہا خصوصیت یہ ہے کہ سلاطین زمانہ، مہدی، ہادی، رشید، مامون اور امین جیسے مشاہیر خلفائے اسلام نے عراق سے حجاز تک بادیہ پیمائی کی۔[1]

روایات کی تعداد ابتداءً مؤطا میں دس ہزار احادیث تھیں۔ مگر امام صاحب نے سب کو قلم زد کر دیا۔ اب ۱۷۲۰ باقی ہیں جس کی تفصیل یہ ہے۔

مسند مرفوع	۶۰۰
مرسل	۲۲۲
موقوف	۶۱۳
تابعین کے اقوال و فتاویٰ	۲۸۵
میزان	۱۷۲۰

مؤطا کی شروح، تعلیقات، تجریدیں، اسناد، رجال وغیرہ مؤطا کی مقبولیت و ہر دلعزیزی کا یہ عالم ہے کہ اس کو شارحین، معلقین، و محشیین کی ایک بڑی جماعت ہاتھ آئی ہے۔ علمائے مالکیہ کے علاوہ دوسرے حضرات نے بھی موطا کی خدمت کی ہے۔ قاضی عیاض نے اُن کی تعداد ۹۹ بتائی ہے۔ اور اس کے بعد بھی اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں مؤطا کی شروح و تعلیقات کا تعارف مقصود نہیں۔ صرف موطا کی مقبولیت کی نشان دہی کرنا ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے حیات امام مالک میں بحوالہ کشف الظنون لفظ موطا اور مدارک قاضی عیاض سے بواسطہ تزئین الممالک سیوطی صفحہ ۵۲ تا صفحہ ۵۸ سے شروح موطا کی ایک فہرست دی ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

شروح مؤطا	۲۹
تجرید و اسناد مؤطا	۱۶

[1] مسوّی شرح مؤطا۔

اختلاف مؤطاآت	۲
رجال المؤطا	۵
غریب المؤطا	۴
روایۃ المؤطا عن المالک	۳
متفرق مباحث	۷
میزان	۶۶

صفات کے مسئلہ میں امام مالک کا مسلک صحبت نبوی کے فیوض اس درجہ کم ہوتے گئے اور صحابہ کرام ایک ایک کرکے جس انداز سے دُنیا سے رخصت ہوتے ۔ ایقان وبصیرت کے درخشاں نمونوں کی تجلیات اسی نسبت سے گھٹتی چلی گئیں ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری صدی کے اوائل میں عقلی شکوک وشبہات نے دلوں میں راہ پائی ۔ کیونکہ جس طرح طبعیات کا یہ اصول ہے کہ خلا محال ہے ۔ اسی طرح قلب و دماغ کی معموری کا بھی یہی حال ہے اس کا خالی رہنا بھی ناممکن ہے ۔ اگر ایمان کی معموریاں اس کو رونق نہیں بخشیں گی تو پھر الحاد و زندقہ کا اس میں دخل ہوجائے گا ۔

امام صاحب کے زمانہ میں کچھ لوگوں نے صفات کے مسئلوں پر موشگافیاں شروع کر دی تھیں ۔ حضرت امام نے جب پہلی دفعہ یہ سوال سُنا کہ "استواء علی العرش" کے کیا معنی ہیں تو انہیں اس انداز فکر سے سخت ملال ہوا ۔ دیر تک گردن جھکائے سوچتے رہے ۔ پیشانی پسینے سے تر ہوگئی ۔ بالآخر جواب میں ایسے جامع کلمات ارشاد فرمائے جو آئندہ چل کر علم کلام میں ایک مستقل مدرسہ قرار پائے ۔ یعنی:

الاستواء معلوم ، والکیف مجہول ، والایمان واجب ،
والسؤال عنہ بدعۃ

اللہ کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے ۔ کیف نہیں جانتے ۔ ماننا ضروری ہے ۔
اور اس میں میخ نکالنا بدعت ہے ۔

وفات امام صاحب کی عمر ۸۶ سال کی ہوچکی تھی ۔ نہایت ضعیف اور ناتواں ہوگئے تھے ۔ اس کے باوجود درس وافتاد کا سلسلہ جاری رکھا ۔ اتوار کے روز بیمار ہوئے اور تقریباً تین ہفتہ بیمار

رہے۔ مرض کی شدت میں کوئی تخفیف نہ ہوئی۔ بالآخر ۱۱ ربیع الاوّل ۱۷۹ھ میں انتقال فرمایا۔

۸۶ سال کی عمر پائی۔ ۱۱۷ھ میں مسندِ درس پر قدم رکھا۔ اور ۶۲ سال تک علم و دین کی خدمت سرانجام دی۔

جنازہ میں ایک خلقت کا ہجوم تھا۔ والی مدینہ عبد اللہ بن محمد ہاشمی خود پیادہ پا شریک تھا۔ اور نعش اٹھانے والوں میں شریک تھا۔ جنت البقیع ایک مشہور مقام ہے۔ یہاں صرف وہ لوگ لیٹتے ہیں جو حیاتِ اولیٰ کے منازل طے کر چکے ہیں۔

اسلام کے ارکانِ عظام امیر المومنین حضرت عثمانؓ، ام المومنین حضرت عائشہؓ، سیدۃ النساء اہل الجنۃ حضرت فاطمۃ الزہراؓ، حضرت امام حسنؓ اور ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور دیگر اعلامِ اسلام اسی خاک میں مدفون ہیں۔ امام مدینہ کا جسدِ خاکی بھی اسی خاک کو سپرد ہوا۔